ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

مشکور حسین یاد کی انشائیہ نگاری کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical study of Mashkoor Hussain Yad's Inshaya

عرفانہ بی بی
ایم فل سکالر
ڈاکٹر عبدالستار ملک
استاد شعبہ ءاردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

Mashkoor Hussain Yad has a distinguished and unique importance among others.The uniqueness of his theme is the hallmark of his Inshaya.He took a different approach from others and was successful in it.If the creations about inshaya of Mashkoor Hussain Yad are analysed this comes out that his inshaya meet the stylistic standards set by the genre of inshaya. His inshaya include freshness of style, informal approach, brevity, revelation of character and all the elements of inshaya.His creations about inshaya are thematically , unique and interesting.

KEY WORDS: Freshness of style, in formal approach, brevity, revelation of character,internalization, intellectual approach

مشکور حسین یاد کو لکھنے لکھانے کا فن ورثے میں ملا تھا۔ ان کا تعلق برصغیر کے ایک ممتاز علمی و ادبی گھرانے سے تھا۔ مشکور حسین یاد کے دادا اور نانا دونوں شاعر اور ادیب تھے۔ دادی کا شمار بھی اپنے دور کی ممتاز شاعرات میں ہوتا تھا۔ ان کی دادی اردو میں حمد، نعت، سلام، مرثیہ، اور قصیدے لکھ کر خواتین کو سناتی تھیں۔ آپ نے 1925ء کو جبوتی پورہ حصار (موجودہ ہریانہ) ضلع مظفر نگر مشرقی پنجاب (بھارت) کے سادات گھرانے میں جنم لیا۔ آپ کو زمانہ طالبعلمی سے ہی تخلیقی ادب سے گہری دلچسپی تھی۔ اردو نثر اور شاعری میں انھوں نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر وہ اس عہد کے مقبول ادبی جریدے "پکار" کے مدیر منتخب ہوئے۔ ارض پاکستان کی محبت میں آپ کے خاندان نے بے مثال قربانیاں دیں۔ آپ معجزاتی طور پر بچ جانے والے خاندان کے واحد فرد تھے جو ہجرت کر کے پاکستان آئے اور نئے سرے سے اپنی زندگی کو شروع کرنے کے لیے محنت سے حالات کا مقابلہ کیا۔ ڈائریکٹر تعلیم لاہور کے دفتر میں کلرک کے طور پر کام کیا۔ پھر کچھ عرصہ محکمہ انہار سے وابستہ ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور بالترتیب ایم۔ اے اردو اور فارسی کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ ءاردو سے منسلک ہوئے۔ آپ علم و ادب اور درس و تدریس کے حوالے سے ہمہ جہت شخصیت تھے۔ روزنامہ پاکستان میں طویل عرصے تک کالم لکھتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہفت روزہ "پکار" ماہنامہ "زغفران" اور ماہنامہ "چشمک" مین بطور ایڈیٹر کام کیا۔ آپ کے فن کے اعتراف میں آپ کو صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی 1999ء اور ستارہ ءامتیاز 2012ء سے نوازا گیا۔

مشکور حسین یاد درس و تدریس کے حوالے سے ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ انھوں نے مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ انشائیہ نویس، مزاح نگار، شاعر، نقاد غرض ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ ایک زمانے میں مشکور حسین یاد نے طنز و مزاح میں بھی نام پیدا کیا۔ اردو انشائیہ کو بے معنویت کی دلدل میں دھنسنے سے بچانے کے لیے فلسفیانہ مزاج کے انشائیے قلمبند کر کے انشائیہ نگاروں کی صف میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ انھوں نے تنقید میں غالب کی تشریح و تفہیم کا سنگ گراں اٹھایا۔ "**غالب بوطیقا، غالب کا ذوق الٰہیات، غالب کی طبع نکتہ جو**" جیسی کتابوں کی صورت میں قلم کے جوہر دکھائے۔ اس کے ساتھ ساتھ میر تقی میر، علامہ اقبال اور میر انیس پر بھی کتابیں تحریر کر کے خود کو منوایا۔ ڈاکٹر سلیم اختر مشکور حسین یاد کے فن کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"مشکور حسین یاد نے اپنے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔ "حیرت کے تم قاری ہو، مشکور بڑے دو دھاری ہو" صرف شاعر، صوفی اور جنونی ہی حیرت کا قاری ہو سکتا ہے۔ حیرت کا قاری ہونا بہت بڑا مرحلہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو دھاری ہونا اور بھی مشکل امر ہے۔ لہذا صاحب بصارت اور صاحب بصیرت ہی دو دھاری ہو سکتا ہے۔ اس لیے مشکور حسین یاد کی ساری قلمی مساعی بصارت اور بصیرت کے لفظوں سے منور ہے"(1)

مشکور حسین یاد کی انشائی تصانیف کا مختصر تعارف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

مشکور حسین یاد کی سب سے پہلی تصنیف **"جوہر اندیشہ"** 1975ء میں منظر عام پر آئی۔ اس مجموعے کا نام انھوں نے مرزا اسد اللہ خان غالب کے شعر سے لیا۔ **"دشنام کے آئینے میں"** مشکور حسین یاد کا دوسرا انشائی مجموعہ بھی 1975ء میں طبع ہوا۔ اس میں ان کے زیادہ تر وہ انشائیے شامل ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً اوراق اور فنون میں شائع ہوتے رہے۔ **"بات کی اونچی ذات"** 1988ء میں شائع ہونے والا انشائی مجموعہ ہے۔ اس کا انتساب علامہ جوہری کے نام ہے۔ اس مجموعے کے آغاز میں فہرست سے پہلے سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر 24 کا حوالہ دیا ہے اور اسی آیت سے اس انشائی مجموعے کا نام اخذ کیا ہے۔ **"وقت کا استعارہ"** 1999ء میں الرزاق پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ **"متاع دیدہ دل"** ان کا انشائی مجموعوں پر مبنی کلیات ہے۔ جس میں نے اپنے سب مجموعوں کے علاوہ تنقیدی مضامین بھی شامل کیے ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ **"ممکنات انشائیہ"** مصنف نے اس میں انشائیہ کے مزاج اور امکانات پر مبنی بنیادی مباحث کو چھوٹے چھوٹے مضامین میں بیان کیا ہے۔

مشکور حسین یاد کی انشائیہ نگاری کا تجزیاتی مطالعہ

کسی بھی ادیب کے فن کو جانچنے کے لیے ضروری ہے۔ کہ اس کے فن پارے میں شامل مواد کو فکری، موضوعاتی اور اسلوب کے حوالے سے بھی جانچا جائے۔ اس جانچ پرکھ کے حوالے سے جو نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ انھی پہلوؤں کی بدولت کسی ادیب یا فنکار کے فن اور اس کے معیار کا تعین ہوتا ہے۔ مشکور حسین یاد اپنے عہد کے دیگر انشائیہ نگاروں میں ایک منفرد اور ممتاز اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے موضوعات کی انفرادیت ہی ان کے انشائیوں کی پہچان ہے۔ انھوں نے دیگر انشائیہ نگاروں سے ہٹ کر علیحدہ روش اختیار کی اور کامیاب ٹھہرے۔ مشکور حسین یاد نے ینشائیہ نگاری کے تمام لوازمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس صنف پر توجہ دی۔ ان کے انشائیے جہاں بہت سے فکری اور تکنیکی اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ وہاں اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں۔ کہ وہ انشائیہ کے مرکزی اور ضمنی واقعات کا سلجھا ہوا شعور بھی رکھتے ہیں۔ ان کے انشائیے اختصار مگر جامعیت کے اصول پر تخلیقی سفر طے کرتے ہیں۔ مسائل کو علامت اور استعارے کی صورت میں پیش کرنا ان کا کمال ہے۔ انھوں نے اپنے تقریباً تمام انشائیوں میں زندگی سے حاصل ہونے والے تجربات اور مشاہدات کو پیش کیا ہے۔ یہ تجربات و مشاہدات اگرچہ انفرادی سطح سے اٹھتے ہیں لیکن انشائیہ کے تخلیقی عمل کے بعد اجتماعی رنگوں سے مالامال ہو جاتے ہیں۔ ان کی صلاحتیں اس وقت بام عروج تک پہنچتی ہیں۔ جب وہ قلم ہاتھ میں لیے کوئی انشائیہ تحریر کرتے ہیں۔ ان کا تخلیقی وجدان سماجی، سیاسی، نفسیاتی، اخلاقی، روحانی غرض ہر قسم کے انسانی مظاہر میں چھپے ان اسرار و رموز کو نکالنے کی سعی کرتے ہیں۔ جو عام قاری کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان کے انشائیوں میں سچائی اور جرائت مندانہ اظہار خیال جابجا نظر آتا ہے۔ وہ قاری کے تجربات میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ قاری کی فکر، سوچ اور تخیل کو بھی بلند کرتے ہیں۔ شعور آگہی کے در وا کرتے ہوئے قاری کو عہد جیاں کی سیر کراتے ہیں۔ اپنے انشائیہ **"لے سانس بھی آہستہ"** میں یوں رقمطراز ہیں:

"کائنات نازک مقامات سے معمور ہے۔ اور زندگی نازک لمحوں سے بھرپور۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں کا مکمل عرفان ممکن نہیں، اگر کوئی چیز پوری طرح سمجھ میں آجائے تو پھر وہ نہ صرف ہمیشہ کے لیے آزادی سے محروم ہو جاتی ہے بلکہ اس کا ارتقاء کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ مکمل عرفان آزادی اور ارتقاء کا سب سے بڑا پتھر ہے۔ نزاکت ہمارے سامنے اس طرح ریزہ ریزہ کر کے لاتی ہے کہ اس کے کرچ میں ستاروں کی سی تابانیاں نظر آتی ہیں۔ جن کے سہارے میں ہم زندگی کے سفر میں اپنے قدم آگے بڑھاتے ہیں۔ کائنات اور زندگی کو آزادی اور ارتقاء بے حد عزیز ہیں۔"(2)

اپنے اس انشائیہ میں مشکور حسین یاد زندگی کے بھید اور راز معلوم کرنے کی واحد تدبیر "احتیاط" بتاتے ہیں۔ گویا محتاط ہو کر انسان اپنے گرد حفاظت کی دیواریں کھڑی نہیں کرتے بلکہ احتیاط کی بے پناہ طاقت کے ذریعے جہالت کے حصار پاش پاش ہوتے ہیں۔ اس انشائیہ میں احتیاط کو موضوع بنا کر اس کارگہ حیات میں احتیاط کو لازم قرار دیا۔ اس انشائیہ میں ہلکے پھلکے انداز میں مصنف نے انتہائی باریک بینی سے قاری کو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی بجائے فکر اور عمل میں احتیاط برتنے کو کہا ہے۔ ان کا انشائیہ پڑھنے پر محسوس ہوتا ہے کہ انسان اکیلا نہیں بلکہ معاشرے کا فرد ہے اور اپنے اعمال کے لیے آزاد ہے۔ مشکور حسین یاد اپنے انشائیوں میں اپنی داخلیت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ داخلیت خارجی کائنات، معاشرہ اور اس کے قوانین سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس لیے ان کے انشائیوں میں فکری جہات اور فلسفیانہ پہلو نظر آتے ہیں۔ ان کے ان پہلوؤں سے ان کا انشائیہ متاثر نہیں ہوتا کیوں کہ خیالات اور تصورات کو وہ اسلوب کی تازگی اور شستہ بیانی کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری کسی بھی قسم کا بوجھل پن محسوس نہیں کرتا۔ اپنے ایک انشائیے **"اداس آئینے"** جو کہ ان کے انشائی مجموعے **"بات کی اونچی ذات"** میں شامل ہے۔ اس میں یوں رقمطراز ہیں:

"اداسی چونکہ ایک آئینے کی مانند ہوتی ہے۔ اس لیے لمحے دو لمحے کے لیے ہر انسان اپنی زندگی میں اداس ہو ہی جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ آئینہ پر اچٹتی ہوئی نظر تو ہر کسی کی پڑ جاتی ہے اور پڑ سکتی ہے۔ البتہ ایسے افراد کی ابھی تک انسانی معاشرہ میں بڑی قلت ہے جو اطمینان کے ساتھ اپنی پوری شخصیت پر نگاہ ڈالنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

یعنی واقعی جو کچھ عرصہ کے لیے مسلسل اداس رہ سکتے ہوں۔ آپ نے آئینوں کو گرد آلود یا صاف و شفاف ہنستے مسکراتے تو اکثر دیکھا ہو گا۔ لیکن اداس آئینے آپ کی نظر سے بہت کم گزرے ہوں گے۔ آئینے اداس نظر آئیں تو سمجھ لیجیے زندگی عافیت کی طرف قدم بڑھا رہی ہے"(3)

مشکور حسین یاد کے اس انشائیے کے مطابق اداسی عرفان و آگہی کا ایک ایسا دھیرے دھیرے بہتا ہوا چشمہ نظر آتی ہے جو انسان کے قلب و نظر کو عجیب انداز میں سیر اب و شاداب کرتا چلا جاتا ہے۔ انسان اداس نہ ہو تو یقینی امر ہے کہ اس کے دل و نگاہ کی بیشتر کھیتیاں ویران ہو جائیں۔ مصنف کے مطابق اداسی انسان کے صاحب بصیرت ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ احمق آدمی کبھی اداس نہیں ہوتا۔ اگر ہو تو سمجھ لیجیے کہ شعور کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس انشائیہ میں مشکور حسین یاد نے بڑی عمدگی سے لطیف پیرائے میں اداس آئینے کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اداسی کو بیان کیا ہے۔ دراصل آدمی صحیح معنوں میں اس وقت اداس ہوتا ہے۔ جب اس کی شخصیت میں اعلیٰ انسانی صفات مجتمع ہوتی ہیں۔ مصنف کے مطابق محض دلیل و حکمت ہی نہیں بلکہ یہ تو دلیل جسارت بھی ہے۔ دلیل غیرت اور دلیل شرافت بھی ہے۔ غیرت مند اور خود دار لوگ اس دنیا میں سب سے زیادہ اداس ہوتے ہیں۔ یوں اس انشائیہ میں مشکور حسین یاد نے قاری کی اس فکری جہت کو ابھارا ہے۔

انشائیہ میں چونکہ دوسری اصناف ادب کی طرح پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔ انشائیہ نے تخلیق کے لیے وسیع میدان مہیا کر رکھا ہے۔ اس لیے مشکور حسین یاد نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سوچ و فکر کے تنوع میں قاری کو شامل کرنا چاہا ہے۔ چونکہ مشکور حسین یاد انشائیہ کو سنجیدہ صنف ادب خیال کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے انشائیوں میں اسی فکری تنوع، پختہ خیالیاور سوچ کی انفرادیت نظر آتی ہے۔ مشکور حسین یاد کسی بھی عنوان، موضوع یا فکر کو عام خیال نہیں کرتے بلکہ اپنے قلم اور تخلیقی صلاحیت سے عام موضوع میں بھی جان ڈال دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک انشائیہ **"شہد کا چھتا"** میں بہت خوبصورتی سے قاری کو فکر و عمل کی دعوت دی ہے۔ بظاہر تو اس سلسلہ میں شہد کے چھتا کو سامنے رکھا ہے لیکن در پردہ "لفظ" اور "معانی" کے خاص رنگ اور ذائقے کا ذکر کیا ہے۔ جس طرح چھتے سے شہد حاصل کرنے کے لیے ایک سلیقہ چاہیے اسی طرح لفظ سے معانی تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بھی ہنر اور مہارت کی ضرورت ہے۔ عام طور پر معاشرے میں لوگ الفاظ تو استعمال کرتے ہیں۔ مگر معانی کی مہارت اور لطف سے واقف نہیں ہوتے۔ مشکور حسین یاد نے انتہائی مہارت سے لفظ اور معانی کا رشتہ بتایا ہے۔ مشکور حسین یاد کے مطابق:

"لفظ کا حقیقت کا حق سے کیا تعلق ہے۔ اس بارے میں اہل فقہ اور اہل کلام یعنی اہل دانش کا یہی متفقہ فیصلہ ہے کہ حقیقت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ کوئی لفظ اصل لغت کے لحاظ سے اپنے معنی، موضوع میں استعمال ہو۔ مطلب یہ ہے کہا گر آپ کسی لفظ کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں۔ تو ایک اعتبار سے حقیقت کی تخلیق کرتے ہیں۔ گویا لفظ کا اصل لغت کے مطابق یعنی صحیح طور پر استعمال کرنا تخلیقی حقیقت کے مترادف ہے۔ جو الفاظ انسان بولتا ہے۔ تو حقیقتیں تخلیق ہوتی ہیں اور شہد معانی کے نو بہ نو ذائقے ہمارے جسم و جان میں اتر کر ہمیں زندگی کی نو بہ نو صداقتوں سے آشنا کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ لفظ چھتے کی ملکہ معنی سے واقفیت پیدا کرنے کی کوشش ہم میں سے کتنے لوگ کرتے ہیں۔"(4)

مذکورہ بالا انشائیہ میں مشکور حسین یاد نے جب لفظ اور معانی کی جنگ میں قاری کو شامل کیا تو در حقیقت وہ قاری کے ذہن تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیوں کہ انشائیہ پڑھنے کے بعد لازمی طور پر لفظ اور معانی کے رشتے پر غور کرے گا اور آئندہ کے لیے محتاط ہو کر الفاظ کا چناؤ کرے گا۔ قاری کے ذہن و دل تک رسائی ایک انشائیہ نگار کی کامیابی ہے اور مشکور حسین یاد اس گر سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ قاری کی فکر اور سوچ کو ابھارنے اور اعتدال پر رکھنے کے لیے جن موضاعات کا چناؤ کرتے ہیں وہ بلاشبہ قابل تعریف ہے۔ ان کی انفرادیت اس رنگ سے بھی نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے بیشتر انشائیوں میں قرآن مجید اور احادیث کا حوالہ بھی کثرت سے ملتا ہے۔ اکثر انشائیے قرآن مجید کی مختلف سورۃ کی آیات پر مبنی ہیں۔ مشکور حسین یاد نے ان آیات کی تشریح و توضیح کو روز مرہ زندگی سے جوڑتے ہوئے بیت آسان اور عام فہم انداز میں ربط پیدا کیا ہے۔ **"خوشی کا بار عظیم"** ان کا ایسا انشائیہ ہے کہ جس میں انھوں نے سورۃ احزاب کی 72 ویں آیت کی روشنی میں خوشی کا تجزیہ کیا ہے۔ اس انشائیے میں انھوں نے خوشی کے جذبے کو بیان کیا ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے مطابق "امانت" کے بہت سے معنی بتائے ہیں۔ کسی نے اس کو عقل سے تعبیر کیا ہے۔ کسی نے اس کو اختیار کا نام دیا ہے۔ کسی نے ذمہ داری، کسی نے فرائض کی ادائیگی وغیرہ۔ لیکن مشکور حسین یاد کے مطابق ان تمام معانی و مفاہیم کے عقب میں جذبہء خوشی اور فکر و مسرت کار فرما نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اس آیت کا ترجمہ کر کے اس کی مختصر وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

"لفظ امانت کا مادہ بھی امن ہے۔ جس سے ایمان بنا ہے۔ گویا امانت کا لفظ بذات خود خوشی کے حاصل ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو خوش رہنے اور دوسروں کو خوش رکھنے کی امانت کا اعزاز بخشا۔ اس نے اس اعزاز کو قبول بھی کر لیا۔ لیکن بعد ازاں اس نے اپنے آپ کو اس اعزاز کا اہل ثابت نہیں کیا۔ وہ اپنے انتہائی ظالمانہ اور انتہائی جاہلانہ رویوں سے نہ تو خود کو خوش رکھ سکا اور نہ ہی اپنے ابنائے جنس کو۔ قرآن نے اس ضمن میں انسان کو بہت زیادہ ظالم اور جاہل کہہ کر اس

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

حقیقت کو آشکار کیا ہے۔ کہ سچی خوشی نہ تو ظلم کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہے اور نہ جہالت کے ذریعے۔ سچی خوشی کے لیے تو انسان کو عادل اور عقل مند ہونے کی ضرورت ہے۔"(5)

مشکور حسین یاد نے اس انشائیہ "خوشی کا بار عظیم" میں انتہائی باریک بینی سے اس آیت کا تجزیہ کیا ہے کہ انسان کیوں بے راہ روی اختیار کرتا ہے۔ ظالم اور جاہل کہلواتا ہے۔ اگر انسان فطرت کے آسان راستے پر قائم رہے تو اس سے زیادہ پر رونق اور آسان راستہ آج تک آدمی کے سامنے نہیں آیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے ایک اور انشائیہ **"بات کی اونچی ذات"** میں قرآن کریم کی سورۃ ابراہیم کا تذکرہ بیان کیا ہے۔ جس میں ایک عمدہ اور پاکیزہ بات کو ایسے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں مضبوط ہوتی ہیں۔ اور شاخیں آسمان میں اور وہ ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے۔ مشکور حسین یاد نے دراصل بات کو ایک ٹھوس حقیقت کہا ہے۔ پہاڑ سے زیادہ ٹھوس، پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کیا جا سکتا ہے مگر بات کو نہیں۔ مصنف نے دراصل بات اور قول کا حوالہ قرآنی آیت کے ذریعے ثابت کیا ہے۔ قرآنی آیت کا حوالہ دینے سے دراصل انشائیہ میں حقیقت پسندانہ اور عملی پہلو واضح ہو رہا ہے۔ انشائیہ میں چونکہ کسی مخصوص سوچ یا فکر کی پابندی نہیں ہوتی۔ اس لیے مشکور حسین یاد کا یہ انشائیہ اس بات کا عملی ثبوت ہے۔ "بات کی اونچی ذات" میں مشکور حسین یاد یوں رقمطراز ہیں:

"اچھی اور پاکیزہ بات اس حیثیت سے ایک پالن ہار اور پروردگار کا رتبہ رکھتی ہے۔ کہ وہ اپنے معانی کے لیے ہمہ وقت غذا فراہم کرتی رہتی ہے۔ جبھی تو قرآن میں اچھی بات کو ایک ایسے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر اچھی بات ایک ایسا وسیلہ حیات ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ اچھی بات اپنے کہنے والے کو ہی زندہ نہیں رکھتی۔ بلکہ وہ دوسروں کو بھی نو بہ نو زندگی بخشتی رہتی ہے اور اس کا یہ وہ فیض عام ہے جس کو قرآن میں ہر وقت پھل دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔"(6)

اس انشائیے میں مشکور حسین یاد نے انتہائی باریکی سے "بات" اور "قول" کے تمام پہلوؤں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ انداز اگرچہ معمول سے ہٹ کر ہے اور انشائیہ کی اس تعریف پر پورا بھی نہیں اترتا۔ جس میں محض light essay کے اردو ترجمہ اور ہلکا پھلکا مضمون جو کہ ہر لحاظ سے ہلکا پھلکا ہو۔ انشائیہ سمجھ لیا گیا۔ لیکن انشائی رنگ لیے ہوئے یہ انشائیہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت "بات" اور "قول" پر عمدہ تحریر ہے۔

مشکور حسین یاد کی انفرادیت انشائیوں میں موجود نفسیاتی رنگ کی وجہ سے بھی ہے۔ انشائیہ اور نفسیات بظاہر دو الگ الگ موضوعات نظر آتے ہیں۔ مگر جہاں بات کی جائے کہ انشائیہ کے لیے انکشاف ذات ضروری ہے وہاں پر ذات کا تعلق نفسیات کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ کیوں کہ جو ناقدین بھی انشائیہ شناسی کی فہم رکھتے ہیں ان سب نے انکشاف ذات کی بات کی ہے۔ جس طرح افراد کے لیے ذات اہم ہوتی ہے اسی طرح افراد کی مانند اصناف ادب کی بھی کوئی نہ کوئی نفسیاتی اساس ضرور ہوتی ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی تنقیدی کتاب "انشائیہ کی بنیاد" جو کہ انشائیہ کی تنقید پر مبنی ہے، میں اس دلچسپ سوال کو اٹھایا ہے۔ "کیا انشائیہ کی بھی کوئی نفسیات ہے؟" اس دلچسپ سوال کا جواب بھی وہ خود ہی تحریر کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

"میں نہ صرف اس سوال کا جواب اثبات میں دوں گا بلکہ اس امر پر زور بھی دوں گا۔ اس لیے کہ جانسن کی اس تعریف کو اگر درست مان لیا جائے کہ انشائیہ "Loose sally of mind" ہے تو پھر جہاں ذہن آیا وہاں نفسیات کیوں نہ آئے گی۔ یہ تو ہے ہی ذہن کا علم۔ ذہن کو سمجھے بغیر ذہن کی اڑان یا ترنگ کے خمر کا ذائقہ بھلا کیسے چکھا جا سکتا ہے۔ بلکہ مجھے تو غزل کے بعد انشائیہ ہی ایک ایسی صنف نظر آتی ہے جس میں انسانی نفسیات زیادہ گہرے اور بہتر طریقے سے اظہار پا سکتی ہے اس لیے غزل کی مانند اس کے نفسیاتی مطالعہ کی بھی ضرورت ہے۔"(7)

یوں مشکور حسین یاد نے بھی اگر اپنے انشائیوں میں قاری کی نفسیات کا خیال رکھا ہے۔ تو یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ مذکورہ بالا رائے کے مطابق جب تک کوئی بھی تخلیقکاری کے ذہن و دل پر اثر نہ کرے وہ تخلیق بے معنی ہے۔ ان کے انشائیوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف انکشاف ذات اور واحد متکلم کا استعمال نظر آتا ہے۔ بلکہ ان کی شخصیت اور ذات کی گہری چھاپ بھی قاری پر نظر آتی ہے۔ جس طرح تخلیق کا شخصیت، ذہن اور اعصاب سے کوئی تعلق بنتا ہے۔ تو پھر اس کے اظہار کی جو صورتیں ہیں ان کا بھی تخلیق کار کی شخصیت اور اس کے ذہن اور اعصاب سے تعلق بنتا ہے۔ اس لیے تخلیق کار کی مانند اصناف اور تخلیقات کی بھی مخصوص نفسیاتی شخصیت ہوتی ہے۔ جو کہ تخلیق کار سے ہوتی ہوئی قاری کے ذہن و دل اور اعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ کبھی قاری اس کے سحر سے نکلنا نہیں چاہتا اور کبھی قاری بوریت کا شکار ہو جاتا ہے۔ کبھی قاری زندگی کے حقائق سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ اور کبھی وقتی طور پر اپنے آپ کو تخلیق کار کے ساتھ محسوس کرتا ہے اور کبھی درد و غم کے جذبات کو اپنے اوپر حاوی کر لیتا ہے۔ یہ سب صورتیں نفسیاتی رنگ میں تخلیق کار کی طرف سے قاری پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یوں تخلیق کار قاری اور اس کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

تحریر (انشائیہ) کی نفسیات کی ایک ایسی تکون بن جاتی ہے۔ کہ جس میں اگر کسی طرف سے بھی کمی بیشی ہو جائے تو وہ تکون مخصوص نفسیاتین کسوٹی پر پورا نہیں اترے گی۔ مشکور حسین یاد نے اپنے انشائیوں میں اس تکون میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہونے دی۔ جس کی وجہ سے ان کے انشائیوں میں ان کے مخصوص انداز کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان کے بظاہر ہلکے پھلکے انشائیوں میں بڑے گھمبیر مسائل کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ ان انشائیوں میں عقل و وجدان کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ ان کے انشائیوں پر فرائڈ کا گہرا اثر بھی نظر آتا ہے اور قاری کو موجودہ عہد کا شعور بھی بولتا ہوا نظر آتا ہے۔ مشکور حسین یاد نے اپنے انشائی مجموعے "وقت کا استعارہ" میں شامل انشائیہ " عنفوان شباب "میں خالصتا" انسان کے جسمانی تقاضوں کو نفسیاتی حوالوں سے جوڑا ہے۔ اٹھتی جوانی کا عالم رومانی طور پر آدمی پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے، انسان کو کیسی کیسی حالتوں سے گزارتا ہے۔ اس میں مصنف نے جوانی اور اٹھتی جوانی عنفوان شباب کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی تجربے کو بھی بیان کیا ہے۔ اس انشائیے میں مصنف نے جوانی اور عنفوان شباب (اٹھتی جوانی) کو الگ الگ فرق کے ساتھ واضح کیا ہے۔ اس کے مطابق عنفوان شباب کا عالم انسان پر تسلسل کے ساتھ وارد ہوتا رہتا ہے۔ اس انشائیہ میں مصنف نے اٹھتی جوانی کا کیف آور اور سرشاری کی حالت کو معصومیت اور بھولپن سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے مطابق زندگی کو خوبصورتی، پیار اور عمدگی سے گزارنے کے لیے سرشاری کے ساتھ ساتھ معصومیت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو انسان کے پاس دولت، علم اور صحت کی فراوانی بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ کیون کہ سرشاری وسعت نظر کا اور معصومیت یا بھولپن کشادہ قلبی کا دوسرا نام ہے۔ اس انشائیے میں مصنف نے تفصیل کے ساتھ جوانی کی مختلف حالتوں اور تقاضوں اور اس قبیل کی دوسری باتوں کا باتوں کا ذکر کیا ہے اور آخر میں نتیجہ قارئین کے جذبہ و فکر استعداد پر چھوڑ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو "عنفوان شباب" کا ایک اقتباس:

" بات دراصل یہ ہے کہ جیسے ہی آدمی میں حواس کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ اس کی ہر حس اپنے اپنے انداز سے اس کو اٹھتی جوانی کا احساس دلاتی ہے۔ یہ الگ بحث کہ کون سی حس پہلے بیدار ہوتی ہے اور کون سی ذرا بعد میں۔ بلکہ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ سب سے پہلے لامسہ ہی بیدار ہوتی ہے۔ اور یہ صرف خود بیدار نہیں ہوتی اپنے ساتھ دوسرے حواس کو بھی بیدار کرتی ہے۔ کیوں کہ یہ حس ایڑی سے لے کر چوٹی تک انسان کے پورے جسم کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ آپ جانتے ہیں باصرہ کا تعلق صرف آنکھوں سے ہے۔ سامعہ کا کانوں سے۔ اسی طرح شامہ کا ناک اور ذائقہ کا نام سے۔ مگر لامسہ کی وسعت ملاحظہ ہو کہ آپ اپنے جسم کو کہیں سے بھی ذرا سا چھو لیں۔ آپ کو اس کا فورا" جواب ملتا ہے۔ غالبا" اس کی وجہ سے اس کائنات کی ہر شے جوان ہے۔۔۔۔۔ اور جب جوانی کے رنگا رنگ پیغامات آپ کے خون میں رواں دواں ہو کر آپ کے جسم کے رگ وریشہ میں پوری طرح سرایت کر جاتے ہیں تو اس وقت ہلکا سا ایک لمس بھی آپ کو اٹھتی جوانی کے عالم میں لے آتا ہے۔"(8)

مشکور حسین یاد کے اس انشائیے پر فرائڈ کا گہرا نفسیاتی اثر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس انشائیے میں مصنف نے انسان کے عالم شباب کا ذکر کیا ہے کہ عنفوان شباب کوئی آنی جانی چیز نہیں۔ یہ تو آدمی کے دم کے ساتھ ہے۔ یعنی انسان جب تک جیتا رہتا ہے وہ عنفوان شباب سے دوچار رہتا ہے۔ جوانی شباب یہ خاص نفسیاتی عوامل ہیں۔ نفسیاتی طور پر انسان اگر جوان رہے تو کبھی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ مشکور حسین یاد کے اس تجربہ کی فرائڈ اور ڈاکٹر گیلنٹ Dr.Gallent کے نقطہ نظر سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ جو کہ خالص نفسیاتی انداز میں انشائیے کی جانچ پرکھ سے سامنے آتی ہے۔ اس کے علاوہ مشکور حسین یاد کے انشائی مجموعے "جوہر اندیشہ" میں شامل انشائیہ "عمر طبعی" بھی نفسیاتی حوالے سے ایک عمدہ مثال ہے۔ اس انشائیے میں مصنف قاری کی نفسیات کے مطابق اس کو شروع سے لے کر آخر تک عمر طبعی کا راز بتانے کے لیے مکالماتی اور بیانیہ انداز اختیار کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں خودکشی اور قتل کا فرق بیان کرتا ہے۔ مصنف نفسیاتی حربے استعمال کرتے ہوئے قاری کو طبعی عمر کی بھول بھلیوں میں الجھا کر بلآخر اس راز سے آگاہی دے دیتا ہے۔ کہ خودکشی سے کسی فرد کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ خود کو موت کے حوالے کر دے۔ بلکہ اس سے اس کا مقصد لوگوں کو دھمکی دینا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مشکور حسین یاد کا انشائیہ "چھوئی موئی" بھی اسی نوعیت کا ہے۔ اس میں انسان کے اپنی ذات میں سمٹنے اور سکڑنے کے انوکھے اور نرالے رنگ سامنے آتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو شرم و حیا پر محمول کرتے ہیں۔ جبکہ بعض اوقات انسان غصے اور تکبر کی حالت میں بھی اپنے اندر سمٹتا ہے۔ یوں مصنف کے مطابق تکبر، غصہ، انا، شیخی، حسد کینہ وغیرہ کی حالت میں انسان کے اندر چھوئی موئی کے پودے جیسی خصوصیات آ جاتی ہیں۔ اس انشائیے میں مصنف نے چھوئی نوئی کے پودے کا حوالہ دیتے ہوئے انسان کی کمزوریوں کا ذکر کیا اور نفسیاتی حوالوں سے انسان کے باطن میں موجود الجھنوں، پیچیدگیوں اور بعض مثبت رویوں کے بند دروازے بھی وا کیے۔ اور قاری کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ کہ بظاہر انسان کو معمولی نظر آنے والے جذبات در پردہ انسان کی شخصیت اور باطن کو کس قدر نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

مشکور حسین یاد نے اپنے انشائیوں میں وقت کی نوعیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ مشکور حسین یاد کے مطابق آدمی کی زندگی کو فروغ دینے والے یہ ماہ و سال نہیں ہوتے۔ اس کا عمل ہوتا ہے۔ وہ اپنے انشائیے "سرخاب کا پر" میں یوں رقمطراز ہیں:

"وقت ناقابل تقسیم ہے۔ اور ہم بزعم خویش اس کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ جس کی بنا پر ہم اس کی مقدار قائم کر کے اس کے کم و بیش ہونے کی باتیں بناتے ہیں۔ وقت نہ کبھی کم ہوا ہے اور نہ کبھی زیادہ۔ البتہ وقت میں پھیلنے اور سکڑنے کی بہت زیادہ اور حیرت انگیز صلاحیت موجود ہے۔ اس لیے لمحے، صدی اور قرن میں بہ اعتبار کوئی فرق نہیں۔ یہ سب وقت کے نام ہیں اور ان سب کی مقدار ایک ہے۔ بس کہیں وقت سکڑا ہوا ہے اور کہیں پھیلا ہوا۔ گویا وقت ربڑ کی مثال ہے کہ نہ تو اس کے پھیلنے سے اس کی مقدار بڑھتی ہے۔ اور نہ سکڑنے سے کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک وقت کی مقدار کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ پھیلے تو کہکشاؤں سے آگے نکل جائے۔ اور سکڑے تو ایٹم بم سے بھی کم ہو جائے۔ البتہ وقت امکانات سے بھرپور ہے۔"(9)

وقت سب سے اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ جو مشکور حسین یاد نے اپنے انشائیہ میں میں چھیڑا ہے۔ وقت قدیم ترین زمانے سے ہر تہذیب میں مختلف انداز سے سامنے آیا ہے۔ وقت کو یونان میں پرمینائڈز (Permenides) نے ساکن بتایا تھا۔ یونان، ہندوستان کے علاوہ ایران میں زروان کی شکل میں وقت کو اہمیت حاصل رہی ہے ۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی مین نیوٹن کے بعد آئن سٹائن کے ساتھ وقت کا اضافی تصور رائج ہوا۔ مشکور حسین یاد کے مطابق وقت ماضی، حال اور مستقبل کی صورت میں نقابل تقسیم ہے۔ مشہور ماہر طبعیات فرٹ جاف کیبرا کے مطابق (The Tao of Physics) زمان و مکان کی تقسیم صرف ہمارا ذہنی رویہ ہے۔ جو زمان و مکان کے ناپنے کے سارے پیمانے اضافی ہیں۔ زمان و مکان دو الگ الگ حقیقتیں نہیں ہیں۔ یہ دونوں ایک ہیں اور ناقابل تقسیم ہیں۔ فرٹ جاف کیبرا کی یہ رائے بھی مشکور حسین یاد کے تصور وقت کے مطابق ہے کہ وقت امکانات سے بھرپور ہوتا ہے۔ وقت کی تقسیم ہمارا اپنا ذہنی رویہ ہے۔ یہ وہ مسلسل رو ہے۔ جس میں نہ دن ہے نہ رات۔ نہ سال ہے نہ ماہ۔ زمان و مکان ناقابل تقسیم ہیں۔ مشکور حسین یاد کے مطابق انسان کی زندگی کے ماہ و سال کا شمار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لیے انسان اپنے وقت گزرنے کی کوالٹی (Quality) پر غور نہیں کرتا بلکہ (Quantity) پر دھیان دیتا ہے۔ انسان نے یہ سمجھے بغیر کتنے سال گزار دیے کہ یہ ماہ و سال کیسے گزارنے چاہئیں۔ یوں وقت کی ناقدری کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اس امشائیہ میں مصنف نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مشکور حسین یاد کا ایک اور انشائیہ "سنہری موقع" اپنے اس انشائیہ میں بھی مشکور حسین یاد نے زمانے اور وقت کی تقسیم کو بیان کیا ہے۔ کہ کیسے حالات اور موقع سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور خاص کر زمانہ حال میں کیسے وقت کو استعمال میں لا کر حالات کو ساز گار بنایا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے اپنے انشائیہ "سنہری موقع" میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

"موقعوں کا فلسفہ سمجھنے کی پہلی شرط یہ ہے۔ کہ انسان زمانہ کی تقسیم بھول جائے۔ وقت کو ماضی، حال اور مستقبل کی حد بندیوں سے اونچا اٹھا کر دیکھے۔ زندگی نہ ماضی ہے، نہ مستقبل۔ وہ تو جاوداں اور پیہم رواں ہے۔ جسے ہم اور آپ زمانہء حال کہتے ہیں۔ ہم اس وقت کے جن لمحوں سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ نہ تو گزرے ہوئے لمحے ہیں اور نہ آنے والے۔ بلکہ وہ قیمتی لمحے تو یہی ہیں جن کی آغوش میں اس وقت ہماری زندگی جھولا جھول رہی ہے۔"(10)

اس اقتباس اور انشائیہ کے مطابق مصنف نے ہر انسان کی زندگی کے سنہری موقع کا ذکر کیا ہے۔ جو انسان کی زندگی میں کم از کم ایک بار ضرور آتا ہے اور اگر انسان اس سے فائدہ اٹھالے تو وہ کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔ یوں اس انشائیے میں مصنف نے جو وقت کا تصور پیش کیا ہے۔ وہ انسان کی زندگی کا قیمتی اور اہم ترین جزو ہے۔ مشکور حسین یاد نے اپنے قلم سے اس اہم ترین جزو زندگی کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں وقت کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے قاری کے ذہن پر مثبت اثر چھوڑا ہے۔

مشکور حسین یاد کے انشائیوں میں ان کی ذات کی کشادہ ذہنی، بالغ نظری، وسعت قلبی اور انسان دوستی جیسی خوبیاں اور صفات نظر آتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے انشائیوں میں جابجا انسان کی اخلاقی بیماریاں بخیلی، دشمنی، حسد، کینہ اور بزدلی کا بھی عکس نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں انشائیہ نگار کا باطن ہر صورت میں بے نقاب ہوتا ہے۔ ایسے انشائیے قاری کی سوچ کو مثبت انداز سے پروان چڑھاتے ہیں۔ ایسے ہی انشائیوں کے بارے میں جمیل آذر کی رائے ملاحظہ ہو:

"انشائیہ نگار وحدت انسانی کا علمبردار ہے۔ وہ رنگ، نسل، زبان اور قومیت سے ماورا ہو کر عظمت انسانی کا علمبردار ہے۔ اس کے ہاں انسان سے آفاقی محبت کا تصور بدرجہ اتم موجود ہے۔"(11)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

گویا آفاقیت کی بدولت انشائیہ نگار اپنے انشائیوں میں گہرے احساس اور بصیرت سے با قاعدہ حساس، دردمند اور ذہین شخص ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ بلا تفریق قاری کی سوچ اور فہم کے مطابق اپنے فکری کاوش کو پیش کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے قاری بلا تعصب دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مثبت انداز فکر بھی انشائیہ نگاری کا ایک لازمی جزو ہے۔ جسے مشکور حسین یاد نے لاشعوری طور پر برتا ہے۔ تمام تر تعصبات سے بالاتر ہو کر غیر جانبداری سے قلم اٹھایا ہے۔ یہ ان کا خاصا ہے کہ انھوں نے اپنے ہر انشائیہ میں مظبت انداز فکر سے جو نکات اخذ کیے ہیں۔ وہ ان کے مزید انشائیوں اور تخلیق کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ انھوں نے مغربی روایت کی طرح مثبت انداز فکر کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ جس کا جابجا مظاہرہ ان کے انشائیوں میں نظر آتا ہے۔ مثبت انداز فکر سے تخلیق کار قاری کے ذہن پر مثبت اثر چھوڑتا ہے۔ اور قاری بلا تعصب ہر تحریر کو بڑی خوش دلی سے ذہنی طور پر قبول کرتا ہے۔ جس کا اثر مصنف کی تحریروں پر نمایاں نظر آتا ہے۔ اس لیے انھوں نے جس مثبت انداز فکر اور وسعت نظر کو پروان چڑھایا ہے وہ قاری کو بھی ذہنی طور پر بالغ اور وسعت نظری کا شکار کر دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو "متاع دیدہ دل" سے ایک انشائیہ "ہاتھ برگ پر" سے اقتباس:

"ادب آدمی کو معاشرے کا بہترین انسان بنا دیتا ہے۔ کیوں کہ انسان معاشرے کا فرد ہوتا ہے۔ انسان معاشرے میں اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے اور آزاد بھی۔ یہ ذمہ داری یا آزادی وہ اپنی مرضی سے حاصل کرتا ہے۔"(12)

مذکورہ بالا انشائیے میں فکریات کا ایک پورا نظام فعال ہے۔ اور نظام کا مرکز و محور اخلاقیات پر استوار ہے۔ مصنف نے اپنے انفرادی نظام کو اس طرح پیش کیا ہے کہ انشائی عمل اور تخلیقی فن کی بدولت اجتماعی رنگوں سے مالامال ہو گئے ہیں۔ ان کے انشائیے فکری احساس سے بھرپور ہیں۔ انھوں نے منفرد اور انوکھے خیالات کے لحاظ سے نئے نئے موضوعات کو قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ بلاشبہ ان کے انشائیے فکری اساس فراہم کرتے ہیں۔ جس سے قاری فکر کی بلندی کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اور یہ فکری پرواز اسے آہستہ آہستہ شعور کی پختگی کی طرف لے جاتی ہے۔ اور وہ انشائیہ کے ایک نئے زاویے سے روشناس ہوتا ہے۔ ان کی پختہ سوچ موضوعات کے نئے ڈھنگ سامنے لاتی ہے۔ جیسے وہ اپنے انشائیوں میں وقت پر بات کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نفسیاتی نقطہ نظر سے ایک نئے اور اچھوتے موضوع کو انشائیہ کا عنوان بنا کر قرآنی آیات کے حوالے دے کر چھوٹے چھوٹے عام روزمرہ کے موضوعات کو پختہ فکر کے ساتھ ساتھ شگفتہ اسلوب میں پیش کرنا بھی انھی کا خاصا ہے۔ اس کے علاوہ کئی اخلاقی برائیوں کو واحد متکلم اور انکشاف ذات کے پردے میں درحقیقت قاری کے لیے سوچ کے نئے در وا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی لیے ان کے انشائیے فکر کی پختگی اور سوچ کی بلندی کے بہترین عکاس ہیں۔ ان کے تمام انشائیے صنف انشائیہ کے مقرر کردہ اسلوبی پیمانے پر پورے اترتے ہیں۔ اسلوب کی شگفتگی دیکھنی ہو تو ان کے انشائیے **"عمر طبعی، ناجائز تعلقات، ناک پکڑنے کا عمل، وصل محبوب کا موسم، یہ وقت ہے شگفتن گل ہائے ناز کا"** ملاحظہ کریں۔ اگر اختصار کی بات کی جائے تو **"ہتک عزت، سفارشی جانور"** اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔ انکشاف ذات کے حوالے سے **"عمر طبعی، چھوئی موئی، ضمیر کی جلاوطنی"** وغیرہ جیسے انشائیے اہم ہیں۔ غرض ان کے انشائیوں میں اسلوب کی تازگی، غیر رسمی طریق کار، ایجاز و اختصار، انکشاف ذات جیسے تمام انشائی لوازمات شامل ہیں۔ مجموعی طور پر ان کے انشائیے منفرد، عمدہ اور دلچسپی سے بھرپور ہیں۔

حوالہ جات

1: سلیم اختر، ڈاکٹر، برداشت، مشکور حسین یاد (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2004ء) فلیپ
2: مشکور حسین یاد، "لے سانس بھی آہستہ"، جوہر اندیشہ (لاہور: مکتبہ اردو ڈائجسٹ، 1975ء) ص 18
3: مشکور حسین یاد، "اداس آئینے"، بات کی اونچی ذات (لاہور: اظہار سنز، 1988ء) ص 29
4: مشکور حسین یاد، "شہد کا چھتا"، بات کی اونچی ذات (لاہور: اظہار سنز، 1988ء) ص 84
5: مشکور حسین یاد، "خوشی کا بار عظیم"، وقت کا استعارہ (لاہور: الرزاق پبلی کیشنز، 1999ء) ص 68
6: مشکور حسین یاد، "بات کی اونچی ذات"، بات کی اونچی ذات (لاہور، اظہار سنز، 1988ء) ص 95
7: سلیم اختر، ڈاکٹر: انشائیہ کی بنیاد (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 1986ء) ص 213
8: مشکور حسین یاد، "عنفوان شباب"، وقت کا استعارہ (لاہور: الرزاق پبلی کیشنز، 1999ء) ص 129
9: مشکور حسین یاد، "سرخاب کا پر"، وقت کا استعارہ (لاہور: الرزاق پبلی کیشنز، 1999ء) ص 129
10: مشکور حسین یاد، "سنہری موقع"، جوہر اندیشہ (لاہور: مکتبہ اردو ڈائجسٹ، 1975ء) ص 162

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

11: جمیل آذر، "انشائیہ نگار کا رویہ"، مشمولہ اوراق (لاہور: اگست، ستمبر (خاص نمبر) شمارہ 8) ص 393

12: مشکور حسین یاد، "ہاتھ برگ پر"، متاع دیدہ دل (لاہور: کلاسک دی مال، 2009ء) ص 591